

انسان کا مقام و مرتبہ اور اسلام

نعیم صدیقیؒ

میں نے خوب اچھی طرح چھانٹ پرکھ کر اپنی پوری زندگی جس مذہب انسانیت کے حوالے کی ہے اس کا نام ہے: امن و سلامتی کا مذہب۔

کسی بھی مذہب پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے دو ہی بنیادی حقیقتیں دیکھی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے خدا کا تصور کیا دیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اس نے انسان کو کیا مقام دیا ہے؟ جہاں خدا کا تصور ناقص یا خلاف حقیقت ہوگا وہاں انسان بھی اپنے اصل مرتبہ و مقام سے ہٹا ہوا ملے گا، اور جہاں انسان کو اس کے شایان شان درجہ نہ دیا گیا ہو، وہاں خدا کا تصور کبھی صحیح اور مطابق حقیقت نہیں ہو سکتا۔ کسی مذہب کے تصور خدا کی کسوٹی اس کا تصور انسان ہے۔ چونکہ مذہب کا مقصود انسانی زندگی کو بنانا سنوارنا ہے، اس لیے مذہب کی جانچ میں یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ انسان اور انسانی زندگی کو کیا درجہ دیتے ہیں۔ آدمی کو جس نظام فکر و عمل کی طرف پکاریے اس کی خودی یہ دریافت کیے بغیر نہیں رہ سکتی ہے کہ اس نظام میں میرا مقام کیا ہے؟ مادی کائنات کے اسٹیج پر زندگی کی تمثیل پیش کرنے میں میرے لیے کیا پارٹ تجویز کیا گیا ہے؟ آفرینش کی اس بھری مجلس میں میری نشست کہاں ہے؟

● میں نے جس مذہب انسانیت کا دامن تھاما ہے اس نے انسان کو سلطنت کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ اور نمائندے کی پوزیشن دی ہے: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ ۳۰:۲)۔ خدا کی ساری مخلوق اور رعیت اطاعت و عبادت کے ایک جبری ڈسپلن میں گسی ہوئی ہے:

۳۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ایک مسیحی تنظیم کی دعوت پر وائی ایم سی اے ہال، لاہور میں یہ خطبہ پڑھا گیا۔

وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝
 (۱۱) عمران ۳: ۸۳۔ لیکن نوع انسانی کو اخلاقی و تمدنی زندگی کے دائرے میں محدود و مختاری
 (limited autonomy) سے نوازا گیا ہے۔ خدا نے اس نوع کو اپنی طرف سے ایک روح
 ودیعت کی ہے: وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ۝ (الحجر ۱۵: ۲۹، ص ۴۲: ۷۲)۔ اپنی صفات کا
 ایک پرتو اس پر ڈالا ہے، علم و شعور کا ایک نور اُسے دیا ہے: وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ۝
 (البقرہ ۲: ۳۱)۔ اور پھر ارادے کی فاعلانہ قوت دے کر اسے زندگی کی امتحان گاہ میں اُتار دیا ہے۔
 تمام اجرام اور اجسام اور عناصر اور قویٰ کو اس کی ضروریات پوری کرنے میں لگا دیا ہے اور بے شمار
 مادی ذرائع و وسائل اس کے تصرف میں دے دیے گئے ہیں: وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
 وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (الجاثیہ ۱۳: ۳۵)۔ پوری سہولتیں انسان کو پہنچا دی گئی ہیں کہ
 وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کو بنائے سنوارے اور ترقی کے
 راستوں پر جتنا بڑھ سکتا ہو آگے بڑھتا جائے۔ خلافت و نیابت کا یہ مقام پا کر آدمی عزت نفس
 (self-respect) اور ذمہ دارانہ حیثیت کے احساس سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

● میرا مذہب انسانی شرف کی دوسری بنیاد یہ سامنے لاتا ہے کہ انسان کو بہترین ساخت پر
 اُٹھایا گیا ہے۔ اس کی فطرت میں کوئی رخنہ نہیں چھوڑا گیا، اس کے خمیر میں کوئی بُرائی شامل نہیں
 کر دی گئی، کوئی گناہ اس کے سر پیدائشی طور پر چپکانہیں دیا گیا، بدی کا کوئی موروثی حساب ایسا نہیں
 ہے جو نسل بعد نسل ایک ایک آدم زاد کے کھاتے میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہو۔ ایک بے داغ فطرت
 ہے جس کے اندر زندگی کے مختلف رجحانات اور تقاضوں کو اعتدال اور توازن کے ساتھ سمویا گیا
 ہے۔ یہ آزادانہ فیصلے کے تحت اقدام کرنے والی فطرت ہے۔ جس کے اندر زندگی کے مختلف رجحانات
 اور تقاضوں کو اعتدال اور توازن کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ یہ آزادانہ فیصلے کے تحت اقدام کرنے والی
 فطرت ہے جس پر نہ نیکی زبردستی ٹھونی جاتی ہے، نہ بُرائی جبراً چپکائی جاتی ہے۔ اس معنی میں انسان
 کی ساخت بہترین ساخت ہے۔ انسانی فطرت کا یہ تصور جب میرے سامنے آتا ہے تو اپنے اُوپر
 میرا اعتماد قائم ہوتا ہے اور نوع انسانی کا شرف و وقار میری نگاہوں میں بہت بڑھ جاتا ہے۔

انسانی زندگی کی بہترین ساخت ہی کو نمایاں کرنے کے لیے میرے مذہب نے انسانِ اوّل

کی سرگزشت بیان کی ہے۔ جنت میں رہبرسل کا دور گزارتے ہوئے اس سے جو لغزش ہوئی تھی، اس کے بارے میں میرے مذہب کا بیان یہ ہے کہ ایک تو وہ دیدہ دانستہ تھی بلکہ غلط فہمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے سرزد ہوئی۔ دوسرے اس کے اندر زیادہ اونچے مراتب اور ابدی زندگی پانے کا اعلیٰ مقصد کا فرما تھا: **فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وَّرِى عَنْهُمَا مِنْ سِوَاتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ** ○ (اعراف ۷: ۲۰)۔ تیسرے یہ کہ اس لغزش پر باغیانہ اکر پیدا ہونے کے بجائے اس کے فوراً ہی بعد احساسِ ندامت ہوا اور آدمؑ اپنی رفیقہ سمیت خدا کے سامنے معافی کے خواست گار بن کر حاضر ہو گئے: **قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ** ○ (اعراف ۷: ۲۳)۔ اختیار کے استعمال کے اس پہلے تلخ تجربے کے بعد اولین انسانی جوڑا بدی کی شیطانی طاقتوں کے بارے میں پوری طرح چوکنا ہو گیا اور ایک پاکیزہ زندگی کی تعمیر کا نیا عزم لے کر میدانِ مقابلہ میں اتر گیا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک باختیار مخلوق کے لیے اس سے زیادہ اونچی فطرت کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اپنا فرض ادا کرنے میں اگر کبھی اس سے بھول چوک ہو جائے تو وہ اس کا احساس کرے اور پھر اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائے۔

● میرے مذہب کی تعلیم کی رو سے انسانی شرف و عظمت کا اتنا پاس کیا گیا ہے کہ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہمیشہ خود انسان ہی ذریعہ بنائے گئے۔ آدمؑ سے ابراہیمؑ تک اور ابراہیمؑ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جو ہزار ہا پیغمبرؑ اور رسولؑ قوم قوم اور دیں دیں میں ہماری تعلیم و تربیت کے لیے مامور کیے گئے وہ سب کے سب گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان ہی تھے۔ اس کام کے لیے نہ تو خدا کو خود اتر کے آنا پڑا، نہ فرشتے ہی مقرر کیے گئے اور نہ کسی دوسری مخلوق کو یہ منصب دیا گیا۔ پھر دیکھیے کہ میرے مذہب کا خطاب کسی ایک گروہ اور نسل اور قوم کے لیے خاص نہیں ہوا بلکہ وہ ساری انسانیت کے لیے عام ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بنی نوع انسان ایک گھرانہ اور ایک برادری ہیں۔ اس نے کسی خاص عنصر کو اپنا چھیتا اور لاڈلا بنا کر نہیں پکارا بلکہ اے انسان: **يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ ○ (الانفطار ۸۲: ۶، الانشقاق ۸۳: ۶) اور اے لوگو: يَا أَيُّهَا النَّاسُ ○ (البقرہ ۲: ۲۱-۱۶۸، النساء ۴: ۱، ۷۰، ۷۱، ۷۲، یونس ۱۰: ۵۷، ۱۰۴، ۱۰۸، الحج ۲۲: ۵، ۲۹، الفاطر ۳۵: ۳، ۵، ۱۵،**

(الحجرات ۱۳:۴۹) کہہ کر ساری اولاد آدم کو سچائی اور نیکی کا پیغام یکساں سنایا ہے۔ وہ سورج اور ہوا اور بارش کی طرح اپنا فیضان عام رکھتا ہے۔ وہ انسانیت کے مقابلے میں اور کسی چیز کو وجہ احترام نہیں مانتا۔ وہ ان ساری تقسیموں سے انکار کرتا ہے جو انسان اور انسان کو آپس میں کٹتی اور ان میں جھوٹی اونچ نیچ پیدا کرتی ہیں۔ وہ ایک ہی تقسیم کو مانتا ہے اور عزت و ذلت کا ایک ہی معیار تسلیم کرتا ہے، یعنی کون سچائی اور نیکی میں آگے ہے اور کون پیچھے ہے: **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ** (الحجرات ۱۳:۴۹)۔ **لَيْسَ لِأَحَدٍ فَضْلٌ عَلَىٰ أَحَدٍ إِلَّا بِدِينٍ أَوْ عَمَلٍ صَالِحٍ** (مسند امام احمد)۔ حد یہ کہ وہ مذہبی جھٹھاندیوں اور ان کے نمائشی سائن بورڈوں کو بھی کوئی وزن نہیں دیتا: **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصْرَىٰ وَالصَّبِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ** (البقرہ ۲:۲۵۶)، بلکہ جو لوگ خود اس کا اپنا ٹھہرے ماتھے پر لگا کر آتے ہیں انھیں بھی وہ مجرد غاہری ٹھہرے کی بنا پر قابلِ قدر نہیں مانتا۔ وہ صرف یہ پوچھتا ہے کہ تم چاہے گورے ہو چاہے کالے، تم چاہے سامی ہو یا حامی، تم چاہے مرد ہو یا عورت، بتاؤ کہ سچا ایمان اور کھرا کردار کس کے پاس ہے۔ وہ یہاں تک کہتا ہے کہ جس نے انسانیت کو کاٹنے والی جاہلی عصبتوں کا نعرہ بلند کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں: **مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبِيَّةٍ أَوْ يَدْعُوا إِلَىٰ عَصَبِيَّةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقَتَلَ قِتْلَةً جَاهِلِيَّةً** (مسلم، نسائی)

● میرا مذہب انسان کی فطرت سے حسنِ ظن رکھتا ہے، اس کے دل و دماغ پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے فطری حقِ خود ارادیت کا پورا پورا احترام کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اس سے اپنی بات جبر و اکراہ سے نہیں منواتا، بلکہ اس کی عقل کے سامنے سوچنے اور سمجھنے کے لیے سارا مواد رکھ دیتا ہے اور صاف صاف سنا دیتا ہے کہ عقیدے اور مذہب کے بارے میں کسی کو کسی پر زبردستی کرنے کا حق نہیں: **لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ** (البقرہ ۲:۲۵۶)۔ وہ بیچ در بیچ عقیدوں کی بھول بھلیوں میں نہیں ڈالتا۔ وہ کچھ انوکھے نظریوں پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ شعبدوں سے محسور نہیں کرتا اور دماغی کشتیوں کے دنگل جما کر لوگوں کو مغالطوں میں نہیں ڈالتا بلکہ سیدھا سیدھا افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرتا ہے: **قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ** (الحديد

(۱۷:۵۷)۔ وہ زندگی کے دوراہے پر کھڑے ہو کر آدمی کو حق اور باطل کے دونوں راستوں سے آگاہ کر دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ جی چاہے تو اُس ہاتھ مڑو اور جی چاہے تو اس ہاتھ اقدام کرو: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ^۱ (الکہف: ۲۹)۔ میرا مذہب دنیا کے ہر سیاسی نظام کی سیاست کے دائرے میں بلاشبہ قوت کا استعمال کرتا ہے، لیکن عقیدہ و مذہب کے دائرے میں وہ دلیل کے سوا کسی دوسری طاقت کی ایک رمق بھی استعمال نہیں کرتا۔ یہ انسانی اختیار کا احترام ہے اور اس کی آزادی ضمیر کی پاسبانی ہے۔ بخلاف اس کے اگر کسی مذہب نے لٹھ چلا کر بات منوانے کا طریقہ اختیار کیا ہو تو وہ گویا انسانی شرف و احترام کا خاتمہ کر کے رکھ دے گا۔

● میں اپنے مذہب سے اس لیے بھی محبت کرتا ہوں کہ یہ مجھے ایک خدا کی بارگاہ پر پہنچا کر دوسری تمام بارگاہوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ انسان کے سامنے ایک ہی مرکز روح ایسا رکھتا ہے جس کے سامنے سجدہ عبادت بھی گزارنا ہے، جس کے آگے دامن دُعا بھی پھیلاتا ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ^۲ (الفاتحہ: ۴)۔ اور جس سے پوری کی پوری زندگی کی ہدایت اور ضابطہ اور قانون بھی لینا ہے: اِنَّ هٰدِيَ اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى^۳ (الانعام: ۶: ۷۱)۔ یہاں مذہب اور دنیا داری کی تقسیم نہیں، یہاں خدا اور قیصر کے درمیان کوئی نہیں، یہاں پبلک اور پرائیویٹ دو زندگیاں نہیں، ایک ہی زندگی ہے اور اس کا ایک ہی مالک و فرماں روا ہے۔ یہ تصور تو حید انسان کو خود داری اور شرف کے اونچے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔ خدا اور انسان کے درمیان یہاں کوئی پردہ اور روک حائل نہیں، یہاں بچ میں کوئی واسطہ اور سفارشی اور وکیل نہیں۔ یہاں مذہبی اجارہ داروں کے کسی طبقے کی اتھارٹی نہیں چلتی۔ یہاں پروہتوں اور پجاریوں کی مسندیں راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالتیں۔ یہاں خدا اپنے بندوں کو پکار پکار کر کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں: هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحديد: ۵۷: ۴)۔ میں تمہارے قریب ہوں: وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيبٌ (البقرہ: ۱۸۶: ۲)۔ مجھ سے براہ راست رابطہ پیدا کرو۔ یہ تصور تو حید انسان کو خدا سے اتنا قریب کر دیتا ہے کہ اس کی قدر و قیمت خود اپنی نگاہوں میں بہت بڑھ جاتی ہے۔

● میرا مذہب آدمی کو ایسی مذہبی زندگی میں نہیں ڈالتا جو اسے ذلت و کمتری کے احساس میں مبتلا کر دے۔ وہ اسے ایک مضحکہ اور تماشا نہیں بناتا۔ وہ اسے گندا اور تنگ دھڑنگ رہنا نہیں

سکھاتا۔ وہ اسے اپنے پیچھے گھسٹتے رہنے کا درس نہیں دیتا۔ وہ نہیں کہتا کہ خدا کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کی ساری ذمہ داریوں کو تھک کر جنگلوں میں ٹکریں مارتے پھرو۔ وہ نہیں سکھاتا کہ نیک بننے کے لیے آدمی کو تمدنی فرائض سے بھاگ کر عبادت گاہ کی تاریک کوٹھڑی میں چشم و گوش بند کر کے پڑ رہنا چاہیے:

رَهْبَانِيَّةٌ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (الحديد: ۵۷-۵۸)، الْمُسْلِمُ الَّذِي يَخْلِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰی مَا اَذَاهُمْ (ترمذی)۔ بخلاف اس کے میرا مذہب متمدن انسان کا مذہب ہے۔ وہ اسے صاف ستھرا، خوش ذوق اور خوش پوش: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَ الطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (اعراف: ۳۲)، دنیا کے کاموں میں مصروف: لَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (القصص: ۲۸-۲۹)، تمام انسانی رشتوں کے حق ادا کرتا ہوا: وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَ بِذِي الْقُرْبَىٰ وَ الْيَتَامَىٰ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ وَ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء: ۳۶)، معاشی جدوجہد میں سرگرم: وَ ابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الجمعة: ۶۲:۱۰)، علم و فکر کے لحاظ سے ترقی کی راہ پر گامزن اور مشکلات اور رکاوٹوں کے خلاف مصروف جہاد دیکھنا چاہتا ہے (مسلم)۔ اُخْرِصْ عَلَىٰ مَا يَنْفَعُكَ وَ اسْتَعِزْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ (ریاض الصالحین، باب فی المجاہدہ)۔ وہ صرف یہ تقاضا کرتا ہے کہ ساری اجتماعی سرگرمیاں خدا کے مقرر کردہ اخلاقی و قانونی حدود کے اندر رہتی چاہئیں: وَ الْخَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ (التوبة: ۱۱۲:۹)۔ ظاہر ہے کہ اس تصور مذہب کے تحت انسان کو اپنی قدر و منزلت کا ایک نیا احساس حاصل ہوتا ہے۔

● میرے مذہب انسانیت میں انسانی جان کا احترام نظام تمدن کی ایک اہم بنیاد ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس کسی نے کسی ایک انسانی جان کو بھی قانونی حق کے بغیر ہلاک کیا اس نے گویا ساری انسانیت کو ہلاکت کے خطرے میں ڈال دیا: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ط (المائدہ: ۳۲)۔ اس معاملے میں میرا مذہب اتنا حساس ہے کہ اگر اس کا کوئی بڑے سے بڑا ماننے والا اس مذہب کے کسی مخالف کو بھی ناحق قتل کر دے تو وہ اس اپنے ماننے والے آدمی کے خلاف قانونی کارروائی پوری کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جان کے بعد دوسرے درجے پر میرے مذہب میں انسانی ملکیت کا احترام بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور

کسی بڑی سے بڑی طاقت کی مجال نہیں کہ اس کے نظام میں کسی دوسرے کا ایک تنکا بھی ناروا طور پر لے سکے: وَلَيْسَ لِلْإِمَامِ أَنْ يُخْرِجَ شَيْئًا مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا بِحَقِّ ثَابِتٍ مَّعْرُوفٍ (کتاب الخراج)۔ اسی طرح بلا امتیاز وہ ہر انسان کی عزت و عصمت کا محافظ بن کر سامنے آتا ہے۔ پھر وہ راے اور خیال کی آزادی کے حق کا پاسبان ہے اور ایک ایک فرد کے لیے وہ کوئی راے رکھنے اور اسے ظاہر کرنے کا، کسی عقیدے کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق مذہبی عبادات و مراسم بجالانے کا، اور حکمران طاقت سے اختلاف کرنے اور اس پر تنقید کرنے کا پورا پورا حق تسلیم کرتا ہے۔ انسانی آزادی کا اسے اس حد تک احترام ملحوظ ہے کہ وہ باضابطہ قانونی کارروائی کے ذریعے جرم ثابت ہوئے بغیر کسی شخص کو قید کرنے، یا اس کی نقل و حرکت پر پابندیاں عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں دیتا: لَا يُؤْسَرُ رَجُلٌ فِي الْإِسْلَامِ بِغَيْرِ الْعَدْلِ (قول عمرؓ، مؤطا، باب الشرط الشاہد)۔ پھر وہ بلا امتیاز تمام انسانوں کو قانون کی نگاہ میں ایسی معیاری مساوات عطا کرتا ہے کہ ایک معمولی شہری اور صدر مملکت کو اس نے عالم واقعہ میں ایک سطح پر لا کھڑا کیا: يَا عَلِيُّ إِذَا جَلَسَ إِلَيْكَ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضِ بَيْنَهُمَا حَتَّى تَسْمَعَ مِنَ الْآخِرِ كَمَا سَمِعْتَ مِنَ الْأَوَّلِ، ابوداؤد، ترمذی)۔

● پھر میرا مذہب اپنے ماننے والوں کے منظم معاشرے کو ایک ایسا نظام معیشت قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے جو سارے نسلی اور مذہبی امتیازات سے بالاتر ہو کر محتاج اور ضرورت مند کو سہارا بہم پہنچائے: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلْسَائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات ۱۹:۵۱)۔ چنانچہ میرے مذہب کے ماننے والے ایک مثالی حکمران نے ایک مرتبہ ایک بوڑھے عیسائی کو بھیک مانگتے دیکھا تو ماتحت کارکنوں کو ڈانٹا اور اسی لمحے سرکاری خزانے سے اس کے نام وظیفہ جاری کرنے کی ہدایت دی (الفاروق، جلد دوم، ص ۲۱۴)۔ پھر انسانی احترام کی یہ حد ہے کہ اپنے دشمن سے میدان جنگ میں لڑتے ہوئے بھی میرا مذہب مجھے اس سے روکتا ہے کہ میں عورتوں اور بوڑھوں اور بچوں اور عام شہری آبادی پر ہاتھ اٹھاؤں، کسی کا چہرہ مسخ کروں اور کسی کی نعش کی بے حرمتی کروں: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ (نسائی)۔ إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَجَنِّبِ الْوَجْهَ۔ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَنْ قَتْلِ الصَّبْرِ (ابوداؤد)، نَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَنِ النَّهْيِ وَالْمُثَلَّةِ (بخاری)

● میرا مذہب انسانوں کی خدمت کا ایک وسیع پروگرام میرے سامنے رکھتا ہے اور دوسروں کے بہت سارے حقوق میرے اوپر عائد کرتا ہے۔ رشتہ داروں میں سے والدین درجہ اول پر آتے ہیں اور چاہے وہ میرے مذہب کے ماننے والے ہوں یا مخالف ہوں، ہر حال میں ان کی خدمت اور ان کا ادب مجھ پر واجب ٹھہرایا گیا ہے۔ ان کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے قربت داروں کی بھلائی چاہنا میرے اوپر لازم ہے۔ عام انسانی برادری میں سب سے پہلا مرتبہ پڑوسی کا ہے۔ میرا مذہب کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں پیٹ بھر کر سوئے کہ اس کا پڑوسی فاقے میں مبتلا ہو تو ایسے شخص کا دین و ایمان بالکل بے معنی ہے: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ (مشکوٰۃ)۔ اسی طرح میرے مذہب میں اس شخص کا ایمان معتبر نہیں جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی پریشان رہے: وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَاقِعِهِ (رياض الصالحين، باب حق الجار)

● میرے مذہب نے سچائی اور نیکی کا تاریخی معیار ہی انسانوں کے بھلے کو قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تاریخ میں اسی نظریہ و مسلک کا چلن ہوتا ہے اور وہی روایات اور قد ریں زندہ رہتی ہیں جو انسانیت کی خیر و فلاح کا ذریعہ ہوں۔ باقی جو کچھ ہے وہ کھوٹ میل ہے جسے تاریخ کی کٹھالی جلا کر راکھ کر دیتی ہے: وَ أَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمُكِّتْ فِي الْأَرْضِ (الرعد ۱۳:۱۷)

● میرا مذہب گھر کی چار دیواری سے لے کر حکومت کے ایوان تک اور اندرون ملک کے معاملات سے لے کر بین الاقوامی سرگرمیوں تک مجھے انسانیت دوستی کی روح سے بھرا ہوا ایک وسیع نصب العین دیتا ہے۔ وہ مجھ سے چاہتا ہے کہ میں اپنی زبان، اپنے ہاتھ پاؤں، اپنے دماغ، اپنے قلم اور اپنے روپے پیسے کی ساری قوتیں اس مہم میں لگا دوں کہ سچائی اور نیکی کا پیغام ہر انسان تک پہنچے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۱۱۰:۳)، اور جھوٹ اور ظلم اور بُرائی اور فساد کا زور ٹوٹ جائے: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (انفال ۳۹:۸)

● وہ اس پر مطمئن نہیں ہوتا کہ میں ذاتی حد تک کچھ جزوی نیکی کو سینے سے لگائے بدی کے اجتماعی ماحول میں امن چین سے پڑا رہوں، بلکہ وہ مجھ سے تقاضا کرتا ہے کہ اپنے دوسرے لاکھوں

بھائیوں کی بھلائی کے لیے کسی بھی فاسد نظام کے خلاف تبدیلی کی جدوجہد کروں: هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الصف ۶۱: ۹)۔ اس مہم میں میرا مذہب مجھے یہ سکھاتا ہے کہ انسانی بھلائی کے کسی بھی نیک کام کے لیے میں بغیر کسی تعصب کے ہر انسانی طاقت سے تعاون کروں اور انسانوں کی بھلائی کے خلاف پڑنے والے غلط کاموں میں کسی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی کا بھی ساتھ نہ دوں: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ ۵: ۲)۔ اس مہم کی بنیاد میرے مذہب نے خالص انسانی محبت و اخوت کے جذبے پر رکھی ہے۔

حضرات! ان چند مختصر اشارات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ میرے مذہب، دین اسلام نے انسان کو کیا مقام دیا ہے۔ بس خاتمہ کلام کے طور پر میں ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ میرا مذہب اُن محدود معنوں میں مذہب نہیں ہے جن میں یہ لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے، بلکہ وہ ایک دین یا ایک نظام زندگی ہے۔ اس کی بنیاد پر کوئی جامد فرقہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ ایک متحرک پارٹی تشکیل پاتی ہے۔ وہ کوئی مذہبی مشن نہیں کھڑا کرتا بلکہ ایک بین الاقوامی تحریک بنا کرتا ہے۔ وہ مجرد و عطف نہیں سنا تا، عملی مسائل کو اپنے ہاتھ سے حل کرنا چاہتا ہے۔ وہ کسی سے تبدیلی مذہب نہیں چاہتا بلکہ ذہن و کردار کی مکمل تبدیلی مانگتا ہے۔ اس کا منہ چاند پاک باز افراد پیدا کر دینا نہیں، وہ نیکی کا ایک جہانی نظام سیاست و تمدن وجود میں لانا چاہتا ہے۔

الحمد للہ! مسلمان بچے (اول)، قرآنی تعلیمات (دوم) اور اسلامی آداب و اخلاق کے نفیس ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ دسمبر کے پہلے ہفتے سے احباب میں تحفۃ تقسیم شروع ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔ مقامی حضرات دستی وصول کریں، جب کہ دیگر حضرات ۵۰ روپے کے ڈاکٹ ٹکٹ ارسال کریں۔

شیخ عمر فاروق، 15- بی، وحدت کالونی، لاہور۔ فون: 042-37810845

اہم گزارش: اس رسالے میں اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات کی کوئی ذمہ داری ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن کی انتظامیہ کی نہیں ہے۔ قارئین اپنی ذمہ داری پر معاملات کریں۔ (ادارہ)